ڈاکٹر محمد نوید ازہر

استاد شعبہ اردو ،

گورنمنٹ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ، لاہور

پاکستانی غزل میں ارفع جذباتِ عشق کی ترجمانی

Dr. Muhammad Naveed Azhar

Lecturer, Urdu Department,

Govt. Islamia College, Railway Road, Lahore.

Gazal: Pakistani Gazal Emotion of Love

The Presentation of Transcendent Love in Pakistani Ghazal

The amour (i.e., Ishq) is the extreme level of love. A person fell into amour lost, whether this love would be worldly or eternal. The relation of the human being to the love has been established for the day of creation. Love of human being to human being is called as worldly love. Whereas, the love of human being to Allah Almighty is considered as eternal love. Love of sufis is considered eternal love. This love makes a man perfect and discloses the mysteries on his heart. This lobe brings up the man. Pakistani ghazal explores inferior feelings of love as well as eternal and superior. The poets of Pakistani era also paid attention to this topic.

محبت کے انتہائی درجے کو عشق کہا جاتا ہے۔عشق کا لفظ قرآنِ پاک میں نہیں آیا۔البتہ مولانا حسام الدین مانک پوری کی نظر میں "حم عسق" میں یہی عشق مذکور ہے جسے عوام سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔(۱) لغت کے اعتبار سے عشق عَشَقَہ سے ماخوذ ہے۔جسے "لبلاب"، "عشق بیچاں" یا "آکاس بیل" کہا جاتا ہے۔یہ بیل جس درخت سے لپٹ جاتی ہے، وہ درخت مرجھا جاتا ہے۔یہی خاصیت عشق کی ہے، عشق کا روگ جس شخص کو لاحق ہوجاے وہ خشک اورزرد ہو جاتا ہے۔(۲) القاموس المحیط کی رو سے عشق کی تعریف یہ ہے: "مرضٌ و سواس یجلبه الی نفسه بتسلیط فکره علی

استحسان بعض الصور" (۳) یعنی عشق جنون کا مرض ہے جو بعض صورتوں کے اچھا سمجھ لینے سے فکری غلبہ کی بناء پر انسان خود پر طاری کر لیتا ہے۔ وحدۃ الوجود کے قائلین کے نزدیک شاہد و مشہود، ناظر و منظور اور طالب و مطلوب کی اصل ایک ہے اس لیے ان حضرات کے الفاظ میں ''جمیلِ حقیقی کا جمعاً اور تفصیلاً اپنے کمال کی جانب میلان'' عشق کہلاتا ہے۔(۴)

عشق سے انسان کا تعلق روزِ ازل سے قائم ہے۔ آیتِ قرآنی اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوا بَلٰی اور حدیثِ قدسی کُنْتُ کنزاً مَخْفِیاً حَتیّٰ اَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَف اسی حقیقت کی طرح اشارہ کرتی ہیں۔ عشق کی معنویت سے آگاہی کے لیے محبت کے مفہوم کو جاننا ضروری ہے۔ محبت کی تعریف بیان کرتے ہوئے شیخ سید علی بن عثمان ہجویریؒ لکھتے ہیں:

''لغت کے لحاظ سے یہ کہتے ہیں کہ محبت حِبّہ سے ماخوذ ہے۔ جس کی ''حا'' مکسور ہے یہ ایک ایسا بیج ہے جو صحرا میں زمین پر پڑتا ہے۔ لہٰذا حِب کو حُب کا نام دیا گیا ہے۔ کیوں کہ زندگی کی اصل ہی اسی میں ہے۔ ایسے ہی جیسے نباتات کی اصل حِب میں ہے۔ چناں چہ اس کا بیج صحرا میں گرتا ہے، مٹی میں پوشیدہ ہو جاتا ہے، اس پر بارش پڑتی ہے، سورج چمکتا ہے، موسم سرما و گرما اس پر گذرتے ہیں لیکن وہ بیج زمانوں کے تغیر سے متغیر نہیں ہوتا۔ جب اس کی بالیدگی کا وقت آتا ہے تو وہ اُگ پڑتا ہے، اس میں سے پھول نکل پڑتے ہیں اور وہ پھل دینے لگتا ہے۔ اسی طرح جب دل میں محبت اپنا گھر بنا لیتی ہے تو پھر حضور و بے حضوری، آزمائش و تکلیف، راحت و لذت اور ہجر و وصال میں تغیر واقع نہیں ہوتا۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

یَا مَنْ سِقَامُ جُفُوْنُہ، لِسقامِ عَاشِقِہ طَبِیْب
حُزتَ الْمَوَدَّۃَ فَاسْتَوٰی عِنْدِیْ حُضُورُکَ وَالْمُغِیْب

''اے وہ کہ جس کی پلکوں کی کوتاہیاں
عاشق کی بیماریوں کی معالج ہیں،
محبت کی کھیتی اُگی، تو میرے لیے حضور و
غیاب برابر ہو گئے۔''(۵)

عشق کی دو اقسام بیان کی جاتی ہیں۔ مجازی اور حقیقی۔ انسان کے انسان سے عشق کو عشق مجازی یا فسادِ گندم سے تعبیر کیا جاتا ہے، جب کہ انسان کے اللہ تعالیٰ سے عشق کو عشقِ حقیقی کہا جاتا ہے۔(۶)

ڈاکٹر نتالیا پری گارینا کے خیال میں عشق کی حقیقی اور مجازی تقسیم اس بناء پر کی گئی ہے کہ انسان کا معشوق حقیقی خدا ہی ہو سکتا ہے۔ خارجی دنیا جس میں ہم آباد ہیں صوفیہ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی اور جہانِ سماوی کے مجاز یا تمثیل سے زیادہ اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ جو واقعات اس میں رونما ہوتے ہیں وہ صرف مجازی مفہوم رکھتے ہیں۔ ان کی حیثیت جہان لافانی و لازوال کی وقتی شہادت کی ہے اور صرف وہی جہان لافانی و حقیقی کہلانے کا مستحق ہے۔ صوفیہ کے خیال میں جہانِ مجازی میں صرف عشق الٰہی حقیقی ہو سکتا ہے۔ باقی سب عشق کی تمثیل یا مجاز ہے۔(۷)

دیگر مابعدالطبیعیاتی عناصر کی طرح عشق کا عنصر بھی تصوف کے راستے غزل میں داخل ہوا۔صوفیہ نے انسان کی تربیت واصلاح اور روحانی ترقی کے لیے محبت الٰہی کو ضروری قرار دیا۔اس محبت سے مراد وہ محبت تھی جو دیگر تمام جذبات پر غالب آ کر انسان کو یک سو کر دے۔ نتیجتاً سالک انتہائی محویت کے عالم میں مادی علائق سے لاتعلق ہو کر کیفِ حضوری سے سرشار ہو جائے۔بعض صوفیہ نے اس کیفیت کے حصول کو آسان بنانے کے لیے سالک اور ذاتِ حق کے درمیان خدمتِ خلق کے واسطے کو ضروری قرار دیا۔اس طریقے میں طالب مخلوقِ خدا کو خود سے افضل و اعلیٰ سمجھتا ہے اور انھیں نفع پہنچانے کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ بعدازاں تصفیۂ قلب کی کوشش میں خیالاتِ فاسدہ سے اجتناب کرتا ہے اور آخر کار صدق وخلوص کی منزل پر پہنچ کر قرب الٰہی کا حق دار بن جاتا ہے۔

بعض صوفیہ نے اس کے برعکس تدبیر اختیار کی۔ان کے طریقے کے مطابق پہلے طالب وصول الی اللہ کی کوشش کرتا ہے۔ بعدازاں اگر من جانب اللہ کسی خدمت پر مامور کیا جائے تو اسے بہ سروچشم قبول کر کے رضائے الٰہی کا مستحق بن جاتا ہے۔ان صوفیہ کے نزدیک خود مخلوق کی طرف راغب ہونے سے بھٹک جانے کا خطرہ ہے۔مقصود قرب الٰہی ہے اور خدمتِ خلق محض اس کا ایک ذریعہ۔

صوفیہ کا پہلا گروہ مجاز کو زینۂ حقیقت قرار دیتا ہے جب کہ دوسرا اسے عرفان الٰہی کے لیے سدِّ راہ بتاتا ہے۔ وحدۃ الوجود کے قائلین کے لیے مجاز حقیقت کا پل ہے،جلوۂ ذاتِ الٰہی ہونے کے باعث قرب الٰہی کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ خود بھی قابل محبت ہے۔ وحدۃ الشہود کے نظریے میں مجاز کی محبت خواہش نفسانی اور سدّ وصول ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ صاحبانِ مجاز کے ہاں مقصود بالذات مجاز نہیں بلکہ ذاتِ الٰہی ہی ہے۔ چوں کہ ’’برائے شعر گفتن خوب است‘‘ کے تحت وحدۃ الوجود کا موضوع شعری روایت میں اس قدر جذب ہو چکا ہے کہ پاکستانی غزل میں بھی اس کی بازگشت سنائی دیتی ہے،لہٰذا اسی مناسبت سے پاکستانی غزل کے تصورِ عشق میں بھی ارفع ، پاکیزہ اور مابعدالطبیعیاتی فلسفۂ عشق کی جھلک دیکھنے کو ملتی ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر بے جا معلوم نہیں ہوتا کہ ڈاکٹر سید عبداللہ نے اردو غزل میں عشق حقیقی اور عشق مجازی کی تقسیم کو تسلیم نہیں کیا۔سید عبداللہ کے الفاظ میں :

> ’’اپنی اصل کے اعتبار سے عشق کی سب صورتیں مجازی ہوتی ہیں۔جس چیز کو عرفِ عام میں عشقِ حقیقی کہا جاتا ہے، وہ بھی عشق مجازی ہی کی ایک صورت ہے۔کسی ’’غیر محسوس‘‘ محبوب سے دل لگانا محالات میں سے ہے اور اگر لگایا جا سکتا ہے تو اس میں تصور کی بنیاد مجازی ہی ہوتی ہے۔‘‘(۸)

ڈاکٹر وزیر آغا اس بات سے اتفاق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ’’ان کی یہ بات بالکل درست ہے کیوں کہ عشق میں بنیاد تو جذبات ہی سے استوار ہوتی ہے۔ چناں چہ جذبے کے عنصر کی نفی ممکن نہیں۔‘‘(۹)

دوسری طرف ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی کا خیال ہے کہ

> ’’اگر انسان سے محبت میں جذبہ خلوص کارفرما ہو اور محبت بے لوث ہو،خواہشات سے پاک ہو

تو اسے بھی عشقِ حقیقی کہتے ہیں۔''(۱۰)

اردو غزل کا عشق انسان کی تربیت کرتا ہے اور اسے فلسفۂ عشق پر غور و فکر کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ کبھی یہ عشق انسان کو اس کا اپنا پرتو دکھا کر خود پسندی میں مبتلا کر دیتا ہے اور کبھی اس کے عشق کو ہمہ گیریت عطا کرنے کے لیے اسے دیگر مظاہر کائنات کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ یوں عشق میں عمومیت اور ماورائیت کا عنصر پیدا ہو جاتا ہے۔

ذیل میں پاکستانی غزل سے رار رفع تصوراتِ محبت و عشق پر مبنی ایک انتخاب درج کیا جاتا ہے:

حفیظ جالندھری:

حسن صورت میں نہیں دل بستگی میرے لیے
عشق کا مفہوم ہے کچھ اور ہی میرے لیے (۱۱)
عشق کے ہاتھوں یہ ساری عالم آرائی ہوئی
عشق کے ہاتھوں قیامت بھی ہے اب آئی ہوئی (۱۲)
سنا ہے اس طرف سے بھی جناب عشق گذریں گے
مری ہستی نہ اڑ جائے غبار کارواں ہو کر (۱۳)

عبدالحمید عدم:

دو ہی تو لفظ تھے فقط دفتر کائنات میں
عقل سوال بن گئی، عشق جواب ہو گیا (۱۴)
عقل اگر عظمتِ کردار کی قائل ہوتی
عشق کو رتبہ الہام دیا جا سکتا (۱۵)
خرد ہے اے عدم اور کنجِ حیرت
جنوں ہے اور دار آرائیاں ہیں
محبت کی مہکتی خلوتوں میں
عقیدت کی نگار آرائیاں ہیں (۱۶)

حفیظ ہوشیار پوری:

مر کے حیاتِ جاوداں عشق کو مل گئی حفیظ
جی کے ہوس کو کیا ملا مرگِ دوام کے سوا (۱۷)
عشق اک کیف ہے جس میں نہ مکاں ہے نہ زماں
کوئی آغاز نہیں تھا کوئی انجام نہیں (۱۸)

محبت کی حقیقت اے حفیظ اس کے سوا کیا ہے
بہت مشکل تھا جینا اس کو آساں کر رہا ہوں میں (۱۹)

مجید امجد:

جنونِ عشق کی رسمِ عجیب کیا کہنا
میں ان سے دور وہ میرے قریب کیا کہنا (۲۰)
عشق کی ٹیسیں جو مضرابِ رگِ جاں ہوگئیں
روح کی مدہوش بیداری کا ساماں ہوگئیں (۲۱)

احسان دانش:

جلا کے کردے گا پاک تجھ کو یہ عشق کا جانگداز شعلہ
نظر میں سوز دوام بھر لے جگر کو آتش کدہ بنا لے (۲۲)
پر فشانی کا جہاں جبریل کو یارا نہیں
عشق کو ان رفعتوں میں رخصت پرواز ہے (۲۳)

رئیس امروہوی:

وہ عشق کفر سے بدتر ہے جو بتا نہ سکے
حیات کیا ہے؟ جنوں کیا ہے؟ آگہی کیا ہے؟ (۲۴)

احمد ندیم قاسمی:

مجھ کو اس شخص کے افلاس پہ رحم آتا ہے
جس کو ہر چیز ملی صرف محبت نہ ملی (۲۵)
عشق معیارِ وفا کو نہیں کرتا نیلام
ورنہ ادراک نے دکھلائے تھے رستے کیا کیا (۲۶)
انساں یوں تو نفس نفس میں طے بحر ظلمات کرے
عشق اگر بس جائے لہو میں کارِ آبِ حیات کرے (۲۷)
محبت ایک سمندر ہے وہ بھی اتنا بسیط
کہ اس میں کوئی تصور نہیں کنارے کا (۲۸)
مجھ سے کافر کو ترے عشق نے یوں شرمایا
دل تجھے دیکھ کے دھڑکا تو خدا یاد آیا (۲۹)
خدا کے سامنے کس منہ سے جائیں گے خدا جانے
محبت کا کوئی دھبا نہیں ہے جن کے دامن پر (۳۰)

محبت میں تو غم بھی نفع ہے، دکھ بھی کمائی ہے
محبت میں کبھی گنتی نہیں ہوتی خساروں کی (۳۱)

منیر نیازی:

گلدستۂ حیات تھا نیرنگِ راہِ عشق
تھا اک طلسمِ حسن خیابانِ دامِ شام (۳۲)

عبدالعزیز خالد:

خاکسارانِ محبت کو نہ سمجھو بے نوا
خاکِ راہِ عشق رکھتی ہے اثر اکسیر کا
ہے شہیدِ عشق زندہ اس کو مردہ مت کہو
منزلِ تسلیم جاں ہے جادۂ ملکِ بقا (۳۳)
نوعِ انساں کی مساوات کا منشور ہے یہ
عشق میں مالک ومملوک کی تفریق مٹے (۳۴)
عشق ہے امر و نہی سے آزاد
کس نے ام الکتابِ عشق پڑھی (۳۵)

غلام محمد قاصر:

اجلا رہے گا صرف محبت کے جسم پر
صدیوں کا پیرہن ہو کہ پل کا لباس ہو (۳۶)

خورشید رضوی:

یہی ہے عشق کہ سر دو مگر دہائی نہ دو
وفورِ جذب سے ٹوٹو مگر سنائی نہ دو (۳۷)

ثروت حسین:

پھول اتنے تھے کہ میرے ہاتھ چھوٹے پڑ گئے
کاروبارِ عشق کارِ گلستاں بنتا گیا (۳۸)

سعود عثمانی:

وہ غم ہے اب بھی کسی بادشاہ گر کی طرح
گدائے عشق جسے چاہے تاج ور کر دے
میاں یہ عشق ہے اور آگ کی قبیل سے ہے
کسی کو خاک بنا دے کسی کو زر کر دے (۳۹)

ہمارا عشق ہے درویش پیڑ کی صورت
کہ زہر پیتا ہے اور زندگی بکھیرتا ہے (۴۰)

سر پر تاج کی صورت دھر دی اس نے ایندھن کی
لکڑی
عشق نے کیسے خوش قسمت کو شاہ سے لکڑ ہارا کیا
(۴۱)
عشق سامان بھی ہے، بے سروسامانی بھی
اسی درویش کے قدموں میں ہے سلطانی بھی (۴۲)

حوالہ جات

۱۔ حسام الدین مانکپوری، مولانا، انیس العاشقین، دھلی، ۱۳۱۰ھ، ص: ۲۰، ۲۱
۲۔ غیاث اللغات، مطبع رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز، لاہور، س ن، ص: ۳۹۷
۳۔ مجدالدین فیروز آبادی، القاموس المحیط والقابوس الوسیط، زیر لفظ: عشق
۴۔ محمد ذوقی، شاہ، سید، سردلبراں، محفل ذوقیہ کراچی، طبع ثانی ۱۴۰۰ھ، ص: ۳۶۰
۵۔ علی بن عثمان ہجویری، شیخ سید، کشف المحجوب، مترجم: الحاج بشیر حسین ناظم، کرمانوالہ بک شاپ لاہور، ۲۰۰۷ء، ص: ۳۵۱
۶۔ ظہیر احمد صدیقی، ڈاکٹر، آفاقِ افکار، مجلس تحقیق و تالیف فارسی گورنمنٹ کالج لاہور، ۱۹۹۷ء، ص: ۹۱
۷۔ نتالیا پری گارینا، ڈاکٹر، غالب، روسی سے ترجمہ: محمد اسامہ فاروقی، دانیال صدر کراچی، ۱۹۹۸ء، ص: ۱۱۶
۸۔ عبداللہ، ڈاکٹر سید، ولی سے اقبال تک، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۷ء، ص: ۱۴
۹۔ وزیر آغا، اردو شاعری کا مزاج، مجلس ترقی ادب لاہور، اول، ۲۰۰۸ء، ص: ۲۰۲
۱۰۔ ظہیر احمد صدیقی، ڈاکٹر، آفاقِ افکار، محولہ بالا، ص: ۹۱
۱۱۔ حفیظ جالندھری، نغمہ زار، مجلس اردو کتاب خانہ حفیظ اردو بازار لاہور، س ن، ص: ۱۱۴
۱۲۔ ایضاً، ص: ۱۱۶
۱۳۔ ایضاً، ص: ۱۲۵
۱۴۔ عدم، سید عبدالحمید، کلیاتِ عدم، مرتبہ: ڈاکٹر ثمینہ محبوب، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۱، ص: ۱۰۱
۱۵۔ ایضاً، ص: ۱۰۴
۱۶۔ ایضاً، ص: ۳۲۰
۱۷۔ حفیظ ہوشیار پوری، مقامِ غزل، اردو اکیڈمی سندھ کراچی، ۱۹۷۳ء، ص: ۴۳
۱۸۔ ایضاً، ص: ۶۶
۱۹۔ ایضاً، ص: ۶۷
۲۰۔ مجید امجد، کلیاتِ مجید امجد، مرتبہ: ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، ماورا لاہور، ۱۹۸۹ء، ص: ۱۰۵
۲۱۔ ایضاً، ص: ۱۹۴

۲۲۔ احسان دانش،نوائے کارگر،مکتبہ دانش انار کلی لاہور۱۹۶۱ء،ص:۲۵۶

۲۳۔ ایضاً،ص:۲۷۲

۲۴۔ رئیس امروہوی،الف،ادارہ ذہن جدید کراچی،باردوم،۱۹۶۶ء،ص:۵۳

۲۵۔ احمد ندیم قاسمی، ندیم کی غزلیں،سنگ میل پبلی کیشنز لاہور،۲۰۰۶ء،ص:۹۷

۲۶۔ ایضاً،ص:۱۱۲

۲۷۔ ایضاً،ص:۱۶۱

۲۸۔ ایضاً،ص:۳۲۲

۲۹۔ ایضاً،ص:۵۲۱

۳۰۔ ایضاً،ص:۵۶۰

۳۱۔ ایضاً،ص:۸۸

۳۲۔ منیر نیازی،آغاز زمستاں میں دوبارہ،مشمولہ:کلیات منیر،خزینہ علم وادب اردو بازار،۲۰۰۲ء،ص:۱۶

۳۳۔ عبدالعزیز خالد،سرابِ ساحل،مقبول اکیڈمی چوک انار کلی لاہور،اول،۱۹۸۷ء،ص:۳۹

۳۴۔ ایضاً،ص:۱۱۹

۳۵۔ ایضاً،ص:۱۲۴

۳۶۔ قاصر،غلام محمد،اک شعر ابھی تک رہتا ہے(کلیات قاصر)،ایلیا بکس راول پنڈی،اول،۲۰۰۹ء،ص:۳۶۶

۳۷۔ خورشید رضوی،شاخِ تنہا،مشمولہ: یکجا،الحمد پبلی کیشنز لاہور،۲۰۰۷ء،ص:۲۵

۳۸۔ ثروت حسین،آدھے سیارے پر،قوسین لاہور،اول،۱۹۸۷ء،ص:۱۳۲

۳۹۔ سعود عثمانی،قوس،کتاب نما پبلشرز مال روڈ لاہور،اول،۱۹۹۷ء،ص:۳۷،۳۸

۴۰۔ سعود عثمانی،بارش،کتاب نما پبلشرز مال روڈ لاہور،۲۰۰۷ء،ص:۸۷

۴۱۔ ایضاً،ص:۴۵

۴۲۔ ایضاً،ص:۱۱۹